بِسۡمِ اللّٰہِ

پیغام انٹرنیشنل

جنوری ۲۰۲۱ء

جمادی الاوّل / جمادی الثانی ۱۴۴۱ھ

عالمگیر مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا ترجمان۔

ہمارے عقائد

حضرت محمد مصطفیٰ (صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پُرانا

قرآن کی کسی آیت کی نہ تلاوت منسوخ ہے اور نہ حکم

حضرت مرزا غلام احمدؒ وہ مجدد تھے، جن کی پیشگوئی نبی کریمؐ نے مسیح و مہدی کے القاب سے کی۔

مدیران

شاہد عزیز
مسز سمیرا احمد
ارشد علوی

فہرست مضامین

۱: کلام امام ۔(اسلامی اصول کی فلاسفی قسط۔) ۲
۲: خطبہ از حضرت مولانا محمد علیؒ۔ ۴
۳: مولانا آفتاب الدین مرحوم ۷
۴: خلافت ۱۱
۵: کلام گورونانک ۱۲

حضرت مسیح موعودنے فرمایا

مردم شماری کے فارم میں لکھو'مسلمان فرقہ احمدیہ'۔

- 'مجھے چھوڑ کر تم کون سا اسلام پیش کروگے۔"

غیر از جماعت امام اگر کلمہ گو کو کافر کہنے والے کے کافر ہونے کا اعلان کرے تو اُس کے پیچھے نماز ادا کرو۔

- احمدی کے لئے لازمی ہے کہ ہر ماہ چندہ دے۔

جو شخص تین ماہ تک چندہ نہیں دیتا وہ جماعت سے خارج ہے۔

ہر احمدی کے لئے اپنی وصیت میں جماعت کے لئے ایک حصہ چھوڑنا لازمی ہے۔

نشریات

وقت بمطابق برطانوی ٹائم

Radio Virtual Mosque on http://mixlr.com/radio-virtual-mosque

Youtube: shorturl.at/foF02

پروگرام و اوقات

اتوار - اردو ۰۹:۰۰ انگریزی ۰۹:۳۰

جمعہ -انگریزی ۱۳:۰۰

عیدین -انگریزی ۱۱:۰۰

پیر سے جمعرات

ریڈیو نشریات

۱۹۰۰-تدبر القرآن اردو

۱۹۳۰- Reflections on the Holy Quran انگریزی

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

ای میل: Imam@LACommunity.uk

وقت تھا، وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا۔

کلام امام
از حضرت مرزا غلام احمدؒ

اسلامی اصول کی فلاسفی (قسط۔۱۴)

ایصالِ خیر کے اقسام

مُرتّب:۔ ارشد علوی

حضرت مسیح موعودؑ اسلامی اصول کی فلاسفی میں فرماتے ہیں۔

ایصالِ خیر کے اقسام: اب ترکِ شر کے اقسام ختم ہو چکے۔ اور اب ہم ایصال خیر کے اِقسام بیان کرتے ہیں۔ دُوسری قسم اُن اِخلاق کی جو ایصالِ خیر سے تعلق رکھتے ہیں۔

پہلا خُلق عفو: پہلا خُلق اُن میں سے عفو ہے یعنی کسی کے گُناہ کو بخش دینا۔ اس میں ایصالِ خیر یہ ہے کہ جو گناہ کرتا ہے وہ ایک ضرر پہنچاتا ہے اور اس لائق ہوتا ہے کہ اس کو بھی ضرر پہنچایا جائے۔ سزا دلائی جائے۔ قید کرایا جائے جرمانہ کرایا جائے۔ یا آپ ہی اس پر ہاتھ اُٹھایا جائے۔ پس اس کو بخش دینا اگر بخش دینا مناسب ہو تو اس کے حق میں ایصالِ خیر ہے۔ اس میں قرآن شریف کی تعلیم یہ ہے۔ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ (آل عمران ۱۳۴) جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ (الشوریٰ ۴۰) یعنی نیک آدمی وہ ہیں جو غصہ کھانے کے محل پر اپنا غصہ کھا جاتے ہیں اور بخشنے کے محل پر گُناہ کو بخشتے ہیں۔ بدی کی جزاء اسی قدر بدی ہے جو کی گئی ہو لیکن جو شخص گُناہ کو بخش دے اور ایسے موقع پر بخشے کہ اس سے کوئی اصلاح ہوتی ہو کوئی شرّ پیدا نہ ہوتا ہو۔ یعنی عین عفو کے محل پر ہو۔ نہ غیر محل پر تو اس کا وہ بدلہ پائے گا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآنی تعلیم یہ نہیں کہ خواہ نخواہ اور ہر جگہ شرّ کا مقابلہ نہ کیا جائے اور شریروں اور ظالموں کو سزا نہ دی جائے۔ بلکہ یہ تعلیم ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ محل اور موقعہ گناہ بخشنے کا ہے یا سزا دینے کا ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ
اور
عالمگیر جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

۱۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان

۲۔ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ بالفاظ بانی سلسلہ احمدیہ:۔ ”اِس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی نہیں آئے گا نیا ہو یا پُرانا“، ”جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔“ ”میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گئی۔“

۳۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے جس کا کوئی حکم منسُوخ نہیں، نہ قیامت تک منسُوخ ہو گا۔

۴۔ بمُطابق فرمانِ نبوی حضرت محمدؐ کے بعد مجدّدین آئیں گے۔ اِس اُمّت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرے گا۔ رجال یکلمون من غیر ان یکونوانبیاء

۵۔ ہم تمام صحابہ کرامؓ اور تمام آئمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہل سنت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہل تشیع کے اور کسی صحابی یا امام، محدث یا مجدّد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۶۔ ہر ایک شخص جو لَآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کا اقرار کرتا ہے اصولاً مسلمان ہے، خواہ اُس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔

۷۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ مجدّد، مسیح موعود اور مہدی ہونے کا تھا۔ نبی ہونے کا ہرگز نہیں۔ اُن کے اپنے الفاظ میں: ”اور اِن لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔“

ہمیں کسی دُنیاوی پارلیمنٹ سے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم مسلمان ہوں یہ کافی ہے۔

پس مُجرم کے حق میں اور نیز عامہ خلائق کے حق میں جو کچھ فی الواقعہ بہتر ہو وہی صُورت اختیار کی جائے۔ بعض وقت ایک مُجرم گناہ بخشنے سے توبہ کرتا ہے اور بعض وقت ایک مُجرم گناہ بخشنے سے اور بھی دلیر ہو جاتا ہے۔ پس خُدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اندھوں کی طرح صرف گناہ بخشنے کی عادت مَت ڈالو۔ بلکہ غور سے دیکھ لیا کرو۔ کہ حقیقی نیکی کس بات میں ہے آیا بخشنے میں یا سزا دینے میں۔ پس جو امر محل اور موقع کے مناسب ہو وہی کرو۔ افراد انسانی کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ جیسے بعض لوگ کینہ کشی پر بہت حریص ہوتے ہیں یہاں تک کہ دادوں پڑدادوں کے کینوں کو یاد رکھتے ہیں۔ ایسا ہی بعض لوگ عفو اور درگذر کی عادت کو انتہاء تک پہنچا دیتے ہیں اور بسا اوقات اس عادت کے افراط سے دیّوثی تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور ایسے قابلِ شرم حِلم اور عفو اور درگذر ان سے صادر ہوتے ہیں۔ جو سراسر حمیّت اور غیرت اور عِفّت کے برخلاف ہیں بلکہ نیک چلنی پر داغ لگاتے ہیں۔ اور ایسے عفو اور درگذر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب لوگ توبہ توبہ کر اُٹھتے ہیں۔ انہیں خرابیوں کے لحاظ سے قرآن شریف میں ہر ایک خُلق کے لئے محل اور موقع کی شرط لگادی ہے اور ایسے خُلق کو منظور نہیں رکھا جو بے محل صادر ہو۔ یاد رہے کہ مجرّد عفو کو خلق نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ایک طبعی قوت ہے جو بچوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ بچہ کو جس کے ہاتھ سے چوٹ لگ جائے خواہ شرارت سے ہی لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اس قصہ کو بھلا دیتا ہے اور پھر اس کے پاس محبت سے جاتا ہے اور اگر ایسے شخص نے اس کے قتل کا بھی ارادہ کیا ہو تب بھی صرف میٹھی بات پر خوش ہو جاتا ہے۔ پس ایسا عفو کسی طرح خلق میں داخل نہیں ہو گا۔ خلق میں اسی صورت میں داخل ہو گا جب ہم اس کو محل اور موقع پر استعمال کریں گے ورنہ صرف ایک طبعی قوت ہو گی۔ دنیا میں بہت تھوڑے ایسے لوگ ہیں جو طبعی قوت اور خُلق میں فرق کرسکتے ہیں۔ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ حقیقی خُلق اور طبعی حالتوں میں یہ فرق ہے کہ خلق ہمیشہ محل اور موقع کی پابندی اپنے ساتھ رکھتا ہے اور طبعی قوت بے محل بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یوں تو چارپایوں میں گائے بھی بے شرّ ہے اور بکری بھی دل کی غریب ہے مگر ہم ان کو اسی سبب سے ان خلقوں سے متصف نہیں کہہ سکتے کہ ان کو محل اور موقع کی عقل نہیں دی گئی۔ خُدا کی حکمت اور خُدا کی سچی اور کامل کتاب نے ہر ایک خُلق کے ساتھ محل اور موقع کی شرط لگادی ہے۔

دُوسرا خُلق عدل۔ تیسرا احسان۔

دُوسرا خُلق: اخلاق ایصالِ خیر میں سے عدل ہے اور تیسرا احسان اور چوتھا ایتاء ذی القربیٰ۔ جیسا کہ اللہ جلّ شانہ ' فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی وَیَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ وَالۡبَغۡیِ (النحل:۹۰) یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کرو۔ اور اگر عدل سے بڑھ کر احسان کا موقع اور محل ہو تو وہاں احسان کرو اور اگر احسان سے بڑھ کر قریبیوں کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرنے کا محل ہو تو وہاں طبعی ہمدردی سے نیکی کرو۔ اور اس سے خدا تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ تم حدود اعتدال سے آگے گزر جاؤ، یا احسان کے بارے میں منکرانہ حالت تم سے صادر ہو جس سے عقل انکار کرے یعنی یہ کہ تم بے محل احسان کرو یا بر محل احسان کرنے سے دریغ کرو۔ یا یہ کہ تم محل پر ایتاء ذی القربیٰ کے خُلق میں کچھ کمی اختیار کرو، یا حد سے زیادہ رحم کی بارش کرو۔ اس آیت کریمہ میں ایصالِ خیر کے تین درجوں کا بیان ہے۔

اوّل یہ درجہ کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کی جائے۔ یہ تو کم درجہ ہے۔ اور ادنیٰ درجہ کا بھلامانس آدمی بھی یہ خُلق حاصل کرسکتا ہے کہ اپنے نیکی کرنے والوں کے ساتھ نیکی ہی کرتا رہے۔

دُوسرا درجہ اس سے مشکل ہے اور وہ یہ کہ ابتداءً آپ ہی نیکی کرنا اور بغیر کسی کے حق کے احسان کے طور پر اس کو فائدہ پہنچانا اور یہ خُلق اوسط درجہ کا ہے۔ اکثر لوگ غریبوں پر احسان کرتے ہیں۔ اور احسان میں یہ ایک عیب مخفی ہے کہ احسان کرنے والا خیال کرتا ہے کہ میں نے احسان کیا ہے اور کم سے کم وہ اپنے احسان کے عوض میں شکریہ یا دُعا چاہتا ہے اور اگر کوئی ممنونِ منّت اُس کا اُس کے مخالف ہو جائے تو اس کا نام احسان فراموش رکھتا ہے۔ بعض وقت اپنے احسان کی وجہ سے اُس پر فوق الطاقت بوجھ ڈال دیتا ہے اور اپنا احسان اس کو یاد دلاتا ہے جیسا کہ احسان کرنے والوں کو خُدا تعالیٰ نے متنبہ کرنے کے لئے فرمایا ہے۔ لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِکُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰی (البقرۃ:۲۶۳) یعنی اے احسان کرنے والو! اپنے صدقات کو جن کی صدق پر بناء چاہئے۔ احسان یاد دلانے اور دُکھ دینے کے ساتھ برباد مت کرو۔ یعنی صدقہ کا لفظ صدق سے مشتق ہے۔ پس اگر دل میں صدق اور اخلاص نہ رہے تو وہ صدقہ صدقہ نہیں رہتا۔ بلکہ ایک ریاکاری کی حرکت ہو جاتی ہے۔ غرض احسان کرنے والے میں یہ ایک خامی ہوتی ہے کہ کبھی غصہ میں آکر اپنا احسان بھی یاد دلا دیتا ہے اسی وجہ سے خُدا تعالیٰ نے احسان کرنے والوں کو ڈرایا۔

وایتاء ذی القربیٰ: تیسرا درجہ ایصالِ خیر کا خُدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ بالکل احسان کا خیال نہ ہو اور نہ شکر گذاری پر نظر ہو۔ بلکہ ایک ایسی ہمدردی کے جوش سے نیکی صادر ہو جیسا کہ ایک نہایت قریبی مثلاً والدہ محض ہمدردی کے جوش سے اپنے بیٹے سے نیکی کرتی ہے۔ یہ وہ آخری درجہ ایصالِ خیر کا ہے جس سے آگے ترقی کرنا ممکن نہیں۔ لیکن خُدا تعالیٰ نے ان تمام ایصالِ خیر کی قسموں کو محل اور موقعہ سے وابستہ کر دیا ہے۔ اور آیت موصوفہ میں صاف فرمادیا ہے کہ اگر یہ نیکیاں اپنے اپنے محل پر مستعمل نہیں ہوں گی تو پھر یہ بدیاں ہو جائیں گی۔ بجائے

عدل فحشاء بن جائے گا۔ یعنی حد سے اتنا تجاوز کرنا کہ ناپاک صُورت ہو جائے۔ اور ایسا ہی بجائے احسان کے منکر کی صورت نکل آئے گی یعنی وہ صُورت جس سے عقل اور کانشنس انکار کرتا ہے اور بجائے ایتاء ذی القربیٰ کے بغی بن جائے گا۔ یعنی وہ بے محل ہمدردی کا جوش ایک بُری صُورت پیدا کرے گا۔ اصل میں بغی اس بارش کو کہتے ہیں جو حد سے زیادہ برس جائے اور کھیتوں کو تباہ کر دے اور یا حق واجب میں کمی رکھنے کو بغی کہتے ہیں۔ اور یا حق واجب سے افزونی کرنا بھی بغی ہے۔ غرض ان تینوں میں سے جو محل پر صادر نہیں ہو گا وہی خراب سیرت ہو جائے گی۔ اسی لئے ان تینوں کے ساتھ موقع اور محل کی شرط لگادی ہے۔ اس جگہ یاد رہے کہ مجرد عدل یا احسان یا ہمدردی ذی القربیٰ کو خُلق نہیں کہہ سکتے بلکہ انسان میں یہ سب طبعی حالتیں اور طبعی قوتیں ہیں کہ جو بچوں میں بھی وجود عقل سے پہلے پائی جاتی ہیں۔ مگر خُلق کیلئے عقل شرط ہے اور نیز یہ شرط ہے کہ ہر ایک طبعی قوت محل اور موقعہ پر استعمال ہو۔ (فہرست مضامین)

۲۹ اگست ۱۹۲۸ء (پیغام صلح کے "آخری نبیؐ نمبر" کے لئے خصوصی مضمون)

ختم نبوت اور تکمیل اخلاق

حضرت مولانا محمد علیؒ

انسان کی روحانی تربیت یا نفس انسانی کا تزکیہ، جو نبوت کی غرض و غایت ہے، دو طرح پر ہوتا ہے۔ اول اس ہدایت کے ذریعہ سے جو نبیؐ لاتا ہے۔ اور دوسرے اس تعلیم کا عملی نمونہ دکھا کر، جو نبیؐ اپنی ذات میں پیش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ انسانوں کے لئے انسان ہی روحانی معلم ہو سکتا ہے، فرشتہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فرشتہ انسانوں کو نمونہ کا کام نہیں دے سکتا۔ اسی طرح اگر خُدا کا جسم اختیار کرنا کوئی حقیقت بھی رکھتا، تو بھی انسانوں کے رہنماؤں کے لئے اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ کیونکہ وہ نمونہ کا کام نہیں دے سکتا تھا۔ پس جس طرح نبوت کے یہ دو پہلو ہیں۔ ایک تعلیم اور ایک نمونہ۔ اسی طرح ختم نبوت کے لئے یہ لازمی ہے کہ ایسا شخص نہ صرف تعلیم کامل لائے۔ جو ہر قوم اور ہر زمانہ کی ضروریات کو پورا کرنے والی ہو، اور یوں اس کے ذریعہ سے تکمیل ہدایت ہو، بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ اپنی ذات میں اس کامل تعلیم کا کامل نمونہ بھی پیش کرے۔ اور اس کے ذریعہ سے تکمیل اخلاق ہو۔ اسی بناء پر مسلمان حضرت محمد مصطفیٰؐ میں ختم نبوت کے قائل ہیں۔ یعنی ایک طرف قرآن کریم میں ایک کامل تعلیم آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے دنیا کو دے دی گئی۔ اور دوسرے آپؐ کی ذات بابرکات میں اخلاق کا ایک کامل نمونہ نسل انسانی کو دے دیا گیا۔ اور جب یہ دونوں ضرورتیں ہمیشہ کے لئے پوری کر دی گئیں، تو آپؐ کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت بھی نہ رہی۔ پس ختم نبوت کی بنیاد کسی خوش عقیدگی پر نہیں، بلکہ یہ ایک عملی مسئلہ ہے، اس مضمون کا تعلق صرف دوسرے حصہ سے ہے۔

کمال اخلاق کے لئے دو باتوں کی ضرورت: قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ کے کمال اخلاق کا ذکر نہایت ابتدائی وحی میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ القلم میں فرمایا اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ (۶۸:۴) آپؐ عظیم الشان اخلاق پر قائم ہیں۔ اور سورۃ النجم میں فرمایا ذُوْ مِرَّۃٍ فَاسْتَوٰی وَ ھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی۔ (۵۳:۶-۷) آپؐ اعتدال پر قائم ہیں۔ اس حالت میں کہ اخلاق کے انتہائی مقامات کو بھی پہنچ گئے ہیں۔ اور حدیث میں ہے۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ میں معبوث ہوا ہوں کہ اعلیٰ درجہ کے اخلاق کو کمال کو پہنچاؤں۔ کمال اخلاق کے لئے دو باتوں کی ضرورت تھی۔ اور انہی دو کی آپؐ کی ذات میں پائے جانے کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں ہے۔ یعنی ایک یہ کہ آپؐ کی ذات میں ہر قسم کے اخلاق ظاہر ہوں۔ اور کوئی پہلو اخلاق کا ایسا نہ ہو، جو آپؐ میں ظاہر نہ ہو۔ اور دوسرے یہ کہ ہر ایک خلق اپنے کمال میں آپ کی ذات میں ظاہر ہو، اور کوئی نقص اس میں باقی نہ رہ جائے۔ اس کو مَیں مثال سے واضح کرتا ہوں۔ مثلاً ایک انسان انکساری اور فروتنی کے خلق کو تو ظاہر کرتا ہے، مگر حالت کمال میں وہ خُلق تب ہی اس کے اندر پایا جائے گا، جب وہ عاجزی اور بے کسی کی حالت سے نکل کر طاقت اور مرتبہ کو پائے۔ اگر اس کی زندگی ساری کی ساری غربت میں ہی گزری ہے، تو انکساری کے خلق کا گو اظہار اس کے اندر ہو مگر اس کے کمال کا اظہار نہیں ہوا۔ کیونکہ اس کی زندگی میں وہ حالت ہی نہیں آئی، جب انکسار اور فروتنی کو انسان بھول جاتا ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

تواضع زگردن فرازاں نکوست   گدا گر تواضع کند خوئے اوست

اسی طرح سخاوت کا خلق ہے۔ ایک شخص ہمیشہ غربت کی حالت میں رہتا ہے۔ کہ اس کے پاس روپیہ پیسہ ہوتا ہی نہیں۔ وہ بھی سخاوت کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن جب تک اس پر وہ وقت نہ آئے، کہ دولت اس کے قدموں پر نثار ہو رہی ہو۔ اور وہ سارے سامان جمع ہو گئے ہوں، جو انسان کو بے اختیار دولت کی محبت کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں، اس وقت تک یہ نہیں کہا جا سکتا، کہ اس نے سخاوت کے خلق کو کامل رنگ میں دکھایا ہے۔ یا مثلاً ایک انسان عفو کا نمونہ اس حالت میں دکھاتا ہے، جب اس کے

پاس طاقت نہیں۔ کہ وہ اپنے دکھ پہنچانے والے سے بدلہ بھی لے سکے۔ تو گویہ توضرورہے۔ کہ خلق عفواس میں ظاہر ہوا، مگر کمال اس خلق کا تب ہی اس میں مانا جائے گا، جب بے کسی کی حالت میں دکھ اٹھا کر وہ ایسا وقت بھی پاتا ہے، کہ اس کو دکھ دینے والے خود ایک عاجزانہ حالت میں اس کے سامنے آتے ہیں۔ مگر ہر قسم کی طاقت پا کر پھر بھی وہ عفو سے کام لیتا ہے۔ پس کمال اخلاق کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ اول یہ کہ انسان کو ہر قسم کے اخلاق کا ظاہر کرنے کے موقعہ اپنی زندگی میں ملا ہو۔ دوسرے یہ کہ اس نے ان اخلاق کا اظہار ایسے موقعہ پر کیا، جب حالات اس خلق کے ظاہر ہونے کے کلیتہ مخالف تھے۔ اور یوں بھی بسا اوقات ہوتا ہے، کہ ایک انسان ایک خلق کو کمال تک پہنچاتا ہوا یہاں تک لے جاتا ہے، کہ دوسری قسم کے اخلاق سے وہ عاری ہو جاتا ہے۔ مثلاً فروتنی اور انکساری کے اخلاق میں یہاں تک حد کو پہنچ جائے، کہ شجاعت کا خلق ہی اس کے اندر سے مفقود ہو جائے۔ یا رحم کے خلق میں اس قدر حد سے بڑھے، کہ انصاف ہی کرنے کے قابل نہ رہے۔ تو ان تمام حالتوں کو جمع کرنے کے لئے فرمایا فَاسْتَوٰی۔ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى۔ (۶:۵۳-۷) آپؐ حالت اعتدال پر بھی ہیں اور پھر افق اعلیٰ پر بھی ہیں۔ تمام اخلاق کا ظہور بھی آپؐ سے ہوا۔ اور ہر ایک خلق اپنے کمال میں بھی ظاہر ہوا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب اخلاق کے اس مرتبہ کو ایک انسان پہنچ جائے، تو پھر اس کے بعد کسی اور نمونہ اخلاق کا تلاش کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ آفتاب کی روشنی سے انسان آنکھیں بند کر کے اور کسی اور روشنی کو تلاش کرے!

آنحضرتؐ کی ذات میں تمام اخلاق کا ظہور: آنحضرت ﷺ کی ذات میں تمام قسم کے اخلاق کا ظہور ایک ایسا امر ہے، جس سے ایک دشمن کو بھی انکار نہیں۔ کیونکہ تمام قسم کے اخلاق کا ظاہر ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ ایسے انسان کو ہر قسم کے حالات میں سے گزرنے کا موقعہ بھی ملا ہو۔ سو آنحضرت ﷺ کے متعلق ایک دشمن تاریخ نویس بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ جس قسم کے متفرق حالات میں سے آپؐ ہو گزرے، اس کی نظیر کسی دوسرے انسان کی زندگی میں نہیں پائی جاتی! آپؐ یتیم ہوئے ہیں۔ والدہ کا بھی انتقال چھ سال کی عمر میں ہو جاتا ہے۔ اور یوں یتیم کے کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ پھر عین جوانی میں، جو جذبات کے ہیجان کا وقت ہوتا ہے، ایک دولت مند بیوہ اپنا مال آپؐ کے سپرد کرتی ہے۔ دوسرے لوگ بھی اپنی امانتیں آپ کے سپرد کرتے ہیں۔ اور اسی زمانہ میں الامین کا خطاب آپ کو ساری قوم کی طرف سے ملتا ہے۔ ساری قوم میں آپؐ کی عزت ہے۔ پھر آپؐ دعویٰ نبوت کرتے ہیں، تو ساری قوم یکایک آپؐ کی دشمن ہو جاتی ہے۔ کس مپرسی کی حالت کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ چاروں طرف سے دکھ دیا جاتا ہے۔ عزت واحترام، تحقیر واستہزا سے بدل جاتا ہے۔ پھر بے کسی کے کمال کا نقشہ ہجرت میں نظر آتا ہے۔ جب اکیلے صرف ایک دوست کے ساتھ غار میں چھپے ہوئے ہیں اور دشمن سر پر منڈلا رہے ہیں۔ پھر مدینہ میں آپؐ کو جاں نثار ملتے ہیں۔ اور دوسری طرف یہودی اور مشرکین بھی آپ کو اپنا حاکم مان لیتے ہیں۔ پھر لڑائیوں کا زمانہ آتا ہے۔ اور چاروں طرف سے تمام عرب تلواریں لے کر آپؐ کی بیخ کنی کے درپے ہو جاتا ہے۔ پھر آپؐ ان دشمنوں پر غالب آتے اور بادشاہ بن جاتے ہیں۔ بیکسی کی انتہائی حالت، طاقت کی انتہائی حالت سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ پھر مدینہ میں آپؐ کو کتنی حیثیتیں حاصل ہیں۔ آپؐ بادشاہ بھی ہیں اور لڑائیوں میں خود حصہ لے کے جرنیل کا کام بھی سرانجام دیتے ہیں۔ اور اس سے بھی اور نیچے اتر کر سپاہی کا کام بھی کرتے ہیں۔ جرنیلی اور سپاہیانہ حیثیت کے ساتھ نمازوں کی امامت بھی آپؐ کراتے ہیں۔ واعظ بھی ہیں۔ پھر قوم کے لئے قانون بھی آپؐ بناتے ہیں۔ اور ان قوانین کا نفاذ بھی خود فرماتے ہیں۔ یعنی مقنن بھی ہیں۔ اور جج یا قاضی بھی ہیں۔ تمام جھگڑوں کا فیصلہ بھی کرتے ہیں۔ قوم بنانے میں وہ کمال کہ ایسی جاں نثار قوم دنیا میں کون بنائے گا! غرض وہ مختلف حالتیں، جن میں سے انسان کو ہو کر گزرنا پڑتا ہے، ان سب سے آپؐ ہو گزرتے ہیں۔ اور وہ تمام مواقع، جن پر انسان کو اپنے اخلاق کے اظہار کا موقعہ ملتا ہے، آپؐ پر آتے ہیں۔ اور یوں تمام قسم کے اخلاق کے ظاہر کرنے کا آپؐ کو موقعہ ملتا ہے۔

ہر خُلق کا اظہار کامل رنگ میں: لیکن اس امر سے بھی بڑھ کر یہ بات ہے۔ کہ آپؐ سے ہر ایک خلق کا اظہار کامل رنگ میں ہوتا ہے۔ آپؐ کے متعلق دشمنوں کو بھی یہ اعتراف ہے۔ کہ جوانی کے ایام میں، جب انسان کی تمام امنگیں اپنی ہی دنیوی ترقی کے لئے ہوتی ہیں، آپؐ کو کوئی خواہش نہ تھی کہ دولت آپؐ کے پاس جمع ہو۔ اور تجارت میں آپؐ محض اس لئے لگے، کہ ابو طالب کی، جو بچپن سے آپؐ کے کفیل رہے تھے، مالی حالت اچھی نہ تھی۔ پچیس سال تک مجردانہ زندگی تھی۔ جس میں انسان کو اخراجات کی لمبی چوڑی حاجت نہیں ہوتی۔ جب آپؐ نکاح کرتے ہیں، تو ایک نہایت دولتمند بیوہ سے۔ اور جب وہ اپنا مال آپؐ کے سپرد کرتی ہے، تو اس سارے مال کو غریبوں کی خبر گیری اور غلاموں کی آزادی پر خرچ کرتے ہیں! پھر جب قریش دولت کو آپؐ کے سامنے پیش کرتے ہیں، تو آپؐ آنکھ اٹھا کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھتے! آخر جب اللہ تعالیٰ آپؐ کو بادشاہ بنا دیتا ہے۔ اور عرب کی ساری دولت آپؐ کے قدموں میں آپڑتی ہے، تو اس وقت بھی وہی فقیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں، جو دولت کے نہ ہونے کی صورت میں کرتے تھے۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں، جنہوں نے بادشاہت کو چھوڑ کر فقیرانہ زندگی اختیار کی۔ لیکن اگر غور کیا جائے، تو معلوم ہو گا کہ کمال یہ نہیں،

کہ انسان بادشاہت کو چھوڑ کر فقیرانہ زندگی اختیار کرے۔ کیونکہ بادشاہت کو چھوڑنے سے اس کے لوازم بھی جاتے رہتے ہیں۔ جبکہ کمال یہ ہے کہ بادشاہ رہ کر جب اس کے ارد گرد تمام بادشاہت کے لوازم موجود ہوں، فقیرانہ زندگی اختیار کرے! اور یہ وہ کمال ہے جو آپؐ نے کر دکھایا۔ بلکہ آپؐ کی اس صفت سے آپؐ کے صحابہؓ بھی اس قدر رنگین ہوئے، کہ عظیم الشان بادشاہتوں کے چار یکے بعد دیگرے مالک حضرت ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے بھی بادشاہت اور فقر کو اپنی زندگیوں میں جمع کر کے دکھا دیا!

کمال عفو کا اظہار: خلق عفو کو لو۔ تو کیا دوستوں کے معاملہ میں، اور کیا دشمنوں کے معاملہ میں، آپؐ سے اس خلق کا اظہار ایسے کامل رنگ میں ہوتا ہے، کہ اس کی دوسری کوئی مثال تاریخ میں ہمیں نہیں ملتی۔ دوستوں کے معاملہ میں عفو کو لیجئے۔ اُحد کی جنگ میں آپؐ کی فوج کے کچھ آدمی آپؐ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں۔ جس سے سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ فوج نرغہ میں آجاتی ہے۔ آپؐ کے بڑے بڑے پیارے اور عزیز صحابہؓ شہید ہو جاتے ہیں۔ آپؐ کو خود زخم آتے ہیں۔ جن سے بیہوش ہو کر گر جاتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کے ساتھ، جو اس ساری مصیبت کا موجب بنے، سلوک کیا ہوا! ان کا کورٹ مارشل نہیں ہوا۔ ان کو کوئی سزا نہیں دی گئی۔ ان کو ملامت تک بھی نہیں کی گئی۔ آئندہ کے لئے ان کو ذلیل کر کے نہیں رکھا گیا۔ بلکہ حکم ہوتا ہے۔ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ (۱۵۹:۳) ان کے لئے معافی اور درگذر بھی ہے۔ ان کی آئندہ بہتری کیلئے دعا بھی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ، کہ وہ مجلس شوریٰ کے ممبر بھی ہیں۔ نہ سزا ہے، نہ چشم نمائی ہے اور نہ تذلیل ہے۔ سختی کی ضرورت کے موقعہ پر اظہار عفو کا وہ کامل نمونہ عفو ہے۔ جس پر فرمایا فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ۔ (۱۵۹:۳) آپؐ کی یہ لینت (نرمی) گویا اللہ تعالیٰ کی مجسم رحمت ہے۔ دشمنوں سے عفو کی مثال فتح مکہ سے بڑھ کر دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ جن لوگوں کے ہاتھ سے لگاتار بیس سال دُکھ اُٹھائے۔ جنہوں نے دُکھ ہی نہیں دیا، بلکہ گھروں سے بھی نکالا، اسی پر بھی صبر نہیں، بلکہ تلوار لے کر نیست و نابود کرنے پر تلے رہے۔ خود رسول اللہ کو قتل کرنے کے سخت سے سخت منصوبے کئے۔ بیگناہوں کے خون کئے۔ ایک دو دن نہیں، بلکہ لگاتار بیس سال اس خطرناک معاندت کا ثبوت دیا، جو بہت کم دنیا میں ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ دشمنی بلا وجہ تھی۔ لیکن آخر جب وہی دشمن مغلوب ہوتے ہیں، اور ملزم ہو کر سامنے آتے ہیں تو کوئی گرفت نہیں۔ کوئی سزا نہیں۔ یہاں تک کہ ان کے ان قبیح فعل پر ملامت تک نہیں۔ خطرناک دکھ دینے والے دشمن جو ابھی تائب بھی نہیں، بلکہ اپنے کفر پر قائم ہیں، ان کے تمام افعال پر یکسر قلم عفو پھیر دینا، یہ دشمنوں کے معاملہ میں کمال عفو کا اظہار ہے، جس کی نظیر کسی دوسرے نبیؑ کی زندگی میں نظر نہیں آتی!

ایک ہی وقت میں متضاد اخلاق کا ظہور: پھر وہ اخلاق، جو بظاہر ایک دوسرے کے مد نظر آتے ہیں، وہ سب آپؐ کے اندر جمع ہیں۔ فروتنی اور انکسار کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی شجاعت کا اظہار بھی ہے۔ کس قدر شجاعت ہے! کہ فوج دشمن کے سامنے سے بھاگ رہی ہے۔ اور آپؐ دشمن کی طرف جا رہے ہیں۔ رحم اس قدر ہے! کہ عین اس حالت میں، جب دشمن سخت نقصان پہنچاتا ہے، خود آپؐ لہولہان ہو رہے ہیں۔ آپؐ کے عزیز قتل ہو چکے ہیں، تو اس وقت بھی دعا یہی نکلتی ہے۔ کہ اے خدا! تو ان دشمنوں کو سیدھی راہ پر لا۔ کیونکہ وہ جانتے نہیں۔ انصاف کی یہ حالت ہے! کہ جب ایک یہودی میں، جو سخت دشمن اسلام قوم ہے، اور ایک مسلمان میں، جو اس وقت اپنی جانیں آپؐ پر فدا کر رہے ہیں، جھگڑا ہوتا ہے۔ تو فیصلہ مسلمان کے خلاف اور یہودی کے حق میں دیتے ہیں۔ طاقت اس قدر! کہ ایک وقت میں نو بیویاںؓ بھی آپؐ کے گھر میں ہیں۔ اور عفت اس قدر! کہ ایک گرم ملک میں تجرد کی حالت میں پچیس سال گذار دیئے ہیں۔ اور سخت سے سخت دشمن ایک حرف آپکے خلاف نہیں کہہ سکتا! پھر مقام غور ہے۔ ایک ہی وقت میں فوج کے جرنیل بھی ہیں۔ اور نماز کے امام اور معلم روحانی بھی۔ دنیا میں اس کی نظیر بھی کوئی نہیں مل سکتی کہ وہی شخص جو ایک طرف فوج کو دشمن کے مقابلہ پر صف آرا کر رہا ہے، دوسری طرف اسی وقت اور اسی حالت میں انہی لوگوں کو سلوک کے منازل اور قرب الٰہی کے روحانی مراتب بھی طے کرا رہا ہے! خدا پر توکل اس قدر ہے کہ چاروں طرف دشمنوں کے ہوتے ہوئے، ایک لمحہ کے لئے اپنی حفاظت کی فکر نہیں۔ اور احتیاط اس قدر کہ آٹھ دن کے رستے پر بھی دشمن کی حرکت کی خبر ملے، تو اس کی سرکوبی کے لئے مہم روانہ فرماتے ہیں۔ تقرب الی اللہ کا یہ شوق! کہ ساری ساری رات خدا کے حضور کھڑے گذار دیتے ہیں۔ اور مخلوق خدا کی خدمت کا یہ جوش کہ ایک بڑھیا کا سودا بازار سے خرید کر لا دیتے ہیں۔ ان امور کو شمار میں لانا، اور بالخصوص ایک اخبار کے مضمون میں، مشکل ہے۔ جو شخص چاہے آپؐ کی زندگی کے واقعات کا مطالعہ کرے۔ اور دیکھ لے کہ کس طرح پر آپؐ نے تمام اخلاق کو اپنے کمال میں اپنے اندر جمع کیا ہے! اس لئے آپؐ قصر نبوت کی آخری اینٹ ہیں۔ اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

(فہرست مضامین)

مولانا آفتاب الدین احمد مرحوم

ترتیب و تدوین: ارشد علوی و ڈاکٹر ظفر احمد

مولانا آفتاب الدین احمد صاحب مرحوم مغربی بنگال کے معروف ضلع بردوان کے ایک گاؤں ٹولہ میں یکم جنوری ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ یہ ان کا ننھیال تھا۔ ان کے والد سید راحت علی اسی علاقہ کے ایک اور گاؤں موگرہ کے زمیندار تھے اور وکالت کے پیشہ سے وابستہ تھے۔ سید راحت علی صاحب نے بچوں کی تعلیم پر خاصی توجہ دی اور مولانا آفتاب الدین احمد صاحب نے بردوان سے میٹرک کرنے کے بعد کلکتہ پریزیڈینسی کالج سے بی اے پاس کیا اور انگریزی میں نہ صرف آنرز کیا بلکہ امتیازی پوزیشن بھی حاصل کی۔ ان کے انگریزی کے پروفیسر کی ان کے متعلق رائے تھی کہ وہ آگے چل کر ایک اچھے لکھاری بنیں گے۔ کالج کے ہم جماعت دوستوں میں ڈاکٹر ایم اے مالک، تھے جو بعد میں پاکستان کی مرکزی حکومت میں عرصہ درازتک وزیر محنت رہے اور ایک وقت آیا کہ وہ پاکستان کے قائمقام صدر اور سقوط ڈھاکہ سے قبل کچھ عرصہ کے لئے مشرقی پاکستان کے گورنر بھی رہے۔ ایک اور علم دوست اور ہم جماعت ابو الہاشم صاحب تھے جو بعد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری بنے اور پاکستان بننے کے بعد فیلڈ مارشل جنرل محمد ایوب خان صاحب کے عہد صدارت میں اسلامی مشاورتی کونسل کے ممبر اور اسلامک اکیڈیمی ڈھاکہ کے ڈائریکٹر رہے۔

طالب علمی کے زمانہ ہی میں وہ آزادی کی تحریکوں میں سرگرم حصہ لیتے رہے۔ خاص طور پر تحریک خلافت۔ لوگوں کو تحریک کے مقاصد سے آگاہ کرتے۔ بی اے کرنے کے فوراً بعد مولانا نے عربی زبان سیکھنے اور قرآن اور

امیر فیصل، سعودی وزیر خارجہ اور مولانا آفتاب الدین، شاہجہان مسجد ووکنگ

حدیث کا علم حاصل کرنے کی غرض سے دیوبند جانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے بی اے کرنے کے بعد دنیاوی مستقبل کو چھوڑ کر دین کی خدمت کی ٹھان لی۔ اس سلسلہ میں مولانا کے چچا سید ارشاد علی صاحب نے کافی حوصلہ افزائی کی۔ جن کا ذکر انہوں نے حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، مجدد چھٹی صدی کی معروف کتاب "فتوح الغیب" کے انگریزی ترجمہ کے انتساب میں کیا۔

وہ پورے دیوبند مدرسہ میں واحد گریجوایٹ تھے، اس لئے مولانا شبیر احمد عثمانی جو اس وقت دیوبند کے اس معروف دینی درسگاہ کے سربراہ تھے ان سے انگریزی پڑھتے تھے۔ دیوبند میں والد صاحب مرحوم نے تقریباً دو سال تک تعلیم حاصل کی۔ تفسیر قرآن مجید کے لئے ان کے استاد مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب تھے جن کو قیام پاکستان کے بعد شیخ الاسلام کا خطاب بھی دیا گیا۔

ایک مرتبہ مولانا آفتاب الدین احمد صاحب مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کی کتابوں کی الماری صاف کر رہے تھے تو انہیں الماری میں سے بیان القرآن کا سرورق چرمر حالت میں ملا جس سے ان کو اندازہ ہوا کہ جس تفسیر کو مولانا سامنے رکھ کر قرآن مجید کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ وہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی تفسیر "بیان القرآن" ہے۔ اس زمانے میں انگریزی ہفتہ وار اخبار "لائٹ"، انگریزی خواں طبقہ اور خاص طور پر مسلمان نوجوانوں میں مقبول تھا اور میرے والد صاحب اس کو باقاعدگی سے پڑھتے تھے اور اس طرح ان کو تحریک احمدیہ لاہور سے دلی لگاؤ تھا۔

۱۹۲۴ء میں جب افغانستان میں مولوی نعمت اللہ صاحب اور ان کے دو ساتھیوں مولوی عبدالحکیم صاحب اور مولوی نور علی صاحب کو احمدی ہونے کی وجہ سے شہید کر دیا گیا تو پورے ہندوستان سے والیٔ افغانستان کو مبارکباد دی کے پیغامات جانے لگے۔ ان دنوں دیوبند کے طالب علموں کی یونین کے صدر مولانا عبدالرحیم ترکا باگیبن اور سیکرٹری مولانا آفتاب الدین احمد صاحب تھے۔ طلباء کا اصرار تھا کہ یونین کی طرف سے بھی والیٔ افغانستان کو مبارکبادی کا ریزولیوشن جانا چاہئے لیکن یہ دونوں طالب علم اس

بیہمانہ قتل کے خلاف تھے۔ اس وجہ سے طلباء میں ان دونوں کے خلاف اشتعال بڑھنے لگا۔ دونوں مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کے پاس گئے کہ وہ اس معاملہ میں ان کی مدد کریں لیکن مولانا نے حمایت کرنے سے معذوری کا اظہار کر دیا اور کہا کہ اگر تم دونوں اپنے موٴقف پر ڈٹے رہے تو پھر تم دونوں کا یہاں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ جب حالات زیادہ بگڑنے لگے تو ان دونوں کے لئے ایک ہی راستہ رہ گیا کہ وہ چپکے سے بھاگ جائیں۔ چونکہ میرے والد صاحب مرحوم ''لائٹ'' کے ذریعہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور کے خیالات اور پتہ سے واقف تھے اس لئے دونوں نے لاہور کا رخ کیا اور پوچھتے پوچھتے احمدیہ بلڈنگس، لاہور پہنچ گئے۔ یہ دونوں طالب علم انتہائی بے سر و سامانی کی حالت میں یہاں پہنچے۔ تن پر جو کپڑے تھے انہیں میں چند دن گذارے لیکن سردی کے دن تھے۔ چنانچہ محترم ڈاکٹر غلام محمد صاحب مرحوم نے دونوں نوجوانوں کو جو اس حالت میں دیکھا تو کچھ گرم کپڑے دیئے۔ مولانا عبد الرحیم تر کا بگیسن تو جلد ہی واپس مشرقی بنگال چلے گئے لیکن میرے والد صاحب مرحوم کو انگریزی زبان میں لکھنے اور بولنے کی صلاحیت کی وجہ سے ''لائٹ'' اخبار کے ادارتی عملہ میں ملازم رکھ لیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد انگریزی زبان میں ان کی لیاقت کو دیکھتے ہوئے انہیں ۵ جنوری ۱۹۲۶ء کو حضرت مولانا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمہ قرآن مجید اور دیگر انگریزی کتب کی پروف ریڈنگ کے لئے مختص کر دیا گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک والد صاحب مرحوم نے حضرت مولانا محمد علی صاحب کے پرسنل اسسٹنٹ کے طور پر بھی کام کیا۔ لیکن پھر دس ماہ بعد یکم نومبر ۱۹۲۶ء کو ان کا بطور مبلغ تقرر ہوا۔ اس دوران میں جب کلکتہ اسلام مشن کی طرف سے درخواست آئی کہ آسام میں کھاسی قبیلہ میں تبلیغ اسلام کے لئے ایک مبلغ کی ضرورت ہے تو ۵ جولائی ۱۹۲۷ء کو والد صاحب مرحوم بطور مبلغ شیلانگ، آسام تشریف لے گئے۔

والد صاحب مرحوم نے کھاسی قبیلہ کے کئی صد لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ اس قبیلہ کی زبان کھاسی میں انہوں نے متعدد کتابچے بھی تحریر کئے۔ تقریباً دو سال تک نہایت تندہی اور مشکل حالات میں تبلیغ و اشاعت کا کام کرتے رہے۔ ایک مرحلہ پر دسمبر ۱۹۲۹ء میں انجمن نے مالی مشکلات کے پیش نظر مشن کو بند کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ گو چند ہفتوں کے بعد حضرت مولانا محمد علی صاحب نے خط کے ذریعہ اطلاع دی کہ انجمن نے اس بارے میں دوبارہ غور کر کے اس مشن کے لئے مالی امداد کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے لیکن اس دوران میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب نے والد صاحب مرحوم کو ووکنگ مسلم مشن، انگلستان کے لئے بطور نائب امام کام کرنے کی پیشکش کر دی تھی جو انہوں نے قبول کر لی۔ شیلانگ میں والد صاحب مرحوم نے مقامی انتظامیہ کے ممبران کی میٹنگ بلائی اور مشن کو چلانے کے لئے مالی وسائل پیدا کرنے کے سلسلہ میں غور کیا گیا چنانچہ کافی حد تک مشن کے اخراجات کو پورا کرنے کی صورت پیدا ہو گئی۔

چنانچہ ۱۹۳۰ء کے آخر میں والد صاحب مرحوم، بیوی اور ایک بچہ میرے بڑے بھائی اقبال احمد کے ساتھ لاہور پہنچے۔ اِن دونوں کو حضرت خواجہ صاحب کے حوالے کر کے خود تن تنہا انگلستان روانہ ہو گئے۔ میری والدہ صاحبہ ایک بچے کے ساتھ اجنبی لوگوں اور اجنبی ماحول میں، نہ کوئی عزیز نہ رشتہ، حضرت خواجہ صاحب کے گھر میں دو سال تک رہیں۔ کھانا اور دیگر ضرورت کی چیزیں ان کو حضرت خواجہ صاحب کی نگرانی میں مہیا کی جاتیں۔

والد صاحب مرحوم ان مشکل حالات میں دو سال تک نہایت تندہی سے ووکنگ مسلم مشن انگلستان میں تبلیغ و اشاعت کے کام میں مصروف رہے اور ماہنامہ ''اسلامک ریویو'' کی ادارت میں بھی قلمی معاونت کرتے رہے۔ ماہنامہ ''اسلامک ریویو'' میں شائع مولانا کی ہی ۱۹۳۲ء کی عید الفطر کی رپورٹ میں اس بات کا ذکر موجود ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح صاحب نے اس مبارک تقریب میں نہ صرف شرکت کی بلکہ اس کی تبلیغی کاوشوں کو سراہا۔ ان دو سالوں میں مولانا نے تحریر اور تقریر کے ذریعہ اپنی قابلیت کا مظاہرہ کیا لیکن انگلستان کی شدید سردی کی وجہ سے ان کی صحت پر برا اثر پڑا اور ان کو مجبوراً واپس آنا پڑا۔ دو سال کے بعد دسمبر ۱۹۳۲ء کے آخر میں آپ بذریعہ سمندری جہاز ہندوستان کے لئے روانہ ہوئے۔

دو سال کے بعد ۱۹۳۵ء میں دوبارہ مولانا کو امام مسجد ووکنگ بنا کر بھیجا گیا جہاں انہوں نے تقریباً ۴ سال تک امامت کے فرائض سرانجام دیئے اور ۱۹۳۹ء کے آخر میں دوسری جنگ عظیم کے شروع ہونے سے قبل ہندوستان واپس آ گئے اور یہاں ماہنامہ ''اسلامک ریویو'' کی ادارت اور حضرت خواجہ صاحب کی انگریزی کتب کی دوبارہ اشاعت کے کام کو سنبھالا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں مشن کی سرگرمیاں محدود ہو گئیں اور مالی مشکلات کا بھی سامنا تھا لیکن ان مشکل حالات میں بھی مولانا نے نہایت اخلاص اور جذبہ ایمانی سے ماہنامہ ''اسلامک ریویو'' کی ادارت اور مشن کی دیگر سرگرمیوں کو لاہور سے جاری رکھا۔

جب ۱۹۴۹ء میں اسلامک ریویو کی اشاعت کا کام انگلستان منتقل ہو گیا تو مولانا کے سپرد انجمن کے انگریزی ہفتہ وار ''لائٹ'' کی ادارت کی ذمہ داری سونپ دی گئی جو انہوں نے زندگی کے آخری لمحوں تک نہایت قابلیت اور تندہی سے ادا کی۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب نے صحیح بخاری کے انگریزی ترجمہ کا کام اپنی زندگی کے آخری ایام میں شروع کیا تھا لیکن جب انگریزی ترجمۃ القرآن کی نظر ثانی کا کام آخری مراحل میں تھا اور ان کی صحت بھی کمزور ہو چکی تھی، حضرت مولانا نے محسوس کیا کہ وہ صحیح بخاری کے کام کو جاری نہ رکھ سکیں گے۔ اِس لئے انہوں نے یہ کام مولانا آفتاب الدین احمد صاحب کے سپرد کر دیا۔ اخبار ''لائٹ'' کی ادارت کی پوری ذمہ داری مولانا تنہا ہی نبھاتے تھے۔ پھر ووکنگ مسلم مشن کے سیکرٹری کی حیثیت سے ''اسلامک ریویو'' کے پاکستان میں ترسیل اور اشاعت کے دیگر انتظامی امور بھی ان کے ذمہ تھے۔ ان تمام تر مصروفیات کے باوجود

انہوں نے صحیح بخاری کے انگریزی ترجمہ کے کام کو جاری رکھا اور چونکہ دفتری اوقات میں صحیح بخاری کے انگریزی ترجمہ کے لئے وقت نکالنا ممکن نہ تھا اس لئے صبح دفتر شروع ہونے سے ایک گھنٹہ پیشتر ایک ٹائپسٹ آتا اور مولانا دفتر میں بیٹھ کر اس کے ترجمہ کو ڈکٹیٹ کرواتے۔ لیکن ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور مولانا صحیح بخاری کے چار پارے ہی مکمل کر پائے تھے کہ جنوری ۱۹۵۶ء میں والد صاحب اچانک دل کے حملہ سے وفات پاگئے۔ تین پارے تو ان کی وفات کے بعد کتابی شکل میں شائع ہو گئے کیونکہ وہ ساتھ کے ساتھ اخبار میں بھی شائع ہوتے رہتے تھے اور مولانا ان کی نظر ثانی بھی کرتے تھے لیکن چوتھا پارہ مسودہ کی شکل میں ہی تھا جس کی اب ٹرینیڈاڈ کے مولانا کلام آزاد محمد صاحب نے نظر ثانی کی ہے اور اس چوتھے حصہ کو اب انجمن کے ویب سائٹ پر ڈال دیا گیا ہے تا کہ لوگ اس سے استفادہ کر سکیں۔

ابا جان کی مادری زبان بنگالی تھی لیکن اردو چونکہ مغربی بنگال میں بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ دینی کتب بھی زیادہ تر اردو میں تھیں۔ اس لئے مسلمانوں میں اس کو سیکھنے کا شوق تھا۔ والد صاحب مرحوم نے دیوبند میں تعلیم کے دوران عربی اور اردو دونوں زبانوں میں تعلیم حاصل کی۔

مولانا میں انسان دوستی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مالی وسائل کی کمی کے باوجود مہمان نوازی، خدمت خلق کا جذبہ قابل قدر تھا۔ جماعت کے نوجوانوں سے علمی اور دینی گفتگو اور ان کی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ شبان الاحمدیہ کی انتظامیہ کے اجلاس اکثر ہمارے گھر کے باہر والے کمرہ میں ہوتے اور اسی کمرہ میں گاہے بہ گاہے نوجوان آتے اور مولانا سے اسلام اور تحریک احمدیت کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو ہوتی۔ شبان الاحمدیہ کے ایک اجلاس میں یہ تجویز ہوئی کہ چونکہ مولانا کو ہومیو پیتھی سے کافی لگاؤ ہے اور وہ لوگوں کا اپنے طور پر علاج بھی کرتے ہیں تو کیوں نہ ہومیو پیتھی کی کلاسیں شروع کی جائیں اور نوجوانوں کو اس طریق علاج کی تعلیم دی جائے چنانچہ انہوں نے گھر پر ہی نماز مغرب سے نماز عشاء تک وقت دینا شروع کیا۔ اس سلسلہ میں شیخ محمد طفیل صاحب ان کی معاونت کرتے اور معاونت کا یہ سلسلہ ۱۹۵۱ء تک جاری رہا۔ جب شیخ صاحب انگلستان بغرض تبلیغ تشریف لے گئے تو شیخ محمد حسین صاحب خازن انجمن نے معاونت کرنی شروع کی۔ رفتہ رفتہ یہ سلسلہ بڑھا اور مہمان خانہ کے ایک چھوٹے سے کمرہ میں یہ سلسلہ منتقل ہو گیا اور ۱۲/ فروری ۱۹۴۳ء بروز جمعہ اس چھوٹے سے کمرہ میں فری ہومیو پیتھک ڈسپنسری کا افتتاح حضرت مولانا محمد علی صاحب نے اپنے دست مبارک سے کیا۔ ڈسپنسری مولانا کے دم سے چلتی رہی لیکن کمرہ مریضوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے لئے ناکافی تھا اور خاص طور پر خواتین کے بیٹھنے کے لئے مناسب جگہ نہ تھی۔ چنانچہ جنوری ۱۹۵۶ء میں حضرت مولانا کی وفات کے بعد شیخ محمد حسین صاحب جو مولانا کی زندگی میں ان کی معاونت کرتے تھے اور ان کی بھی اب ہومیو پیتھک طریق علاج سے دلچسپی بڑھ گئی تھی انہوں نے اس چھوٹے سے کمرہ کے ساتھ انجمن کے مہمان خانہ سے اور جگہ شامل کر کے اس کو وسیع کرایا اور ساتھ والی گلی کی طرف سے خواتین کے آنے جانے کا راستہ اور ان کے بیٹھنے کے لئے الگ انتظام کر دیا گیا۔ چنانچہ توسیع کا باقاعدہ افتتاح ۲۷/ نومبر ۱۹۶۴ء کو ہوا۔ اس تقریب کی صدارت امیر جماعت حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے کی اور بابائے ہومیو پیتھی ڈاکٹر محمد مسعود قریشی نے بطور مہمان خصوصی شرکت کی۔

مولانا کی زندگی کا ایک پہلو جو بظاہر لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہا لیکن یہی عنصر ان کے دینی کاموں میں انہماک اور صبر و تحمل کی اصل قوت تھا اور ان کی تحریر و تقریر میں تاثیر کا موجب بھی۔ وہ ان کا کمال توکل اور درویشی تھی۔ وہ انتہائی عبادت گذار تھے اور تہجد ان کا معمول تھا۔ اسلام اور امت مسلمہ کی زبوں حالی کا قلق ان کو ہر دم رہتا۔ مجھے یہ منظر کبھی نہ بھولے گا کہ جب ریڈیو پر قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے سلسلہ میں رواں تبصرہ ہو رہا تھا تو والد صاحب مرحوم سجدے میں رو رو کر اس نوزائیدہ ملک کی سلامتی کے لئے دعائیں کر رہے تھے اور جب سجدے سے سر اٹھاتا تو ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہوتے تھے۔

ان کی طبیعت میں روحانی علوم اور سلوک کے مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ جب کبھی فرصت ملتی تو حضرت مسیح موعودؑ کے ملفوظات میں سے ایسے فرمودات پڑھ کر سناتے جن میں دعا اور عبادات کی اصل روح کو پیدا کرنے کی تاکید ہوتی۔ چنانچہ جب مشرقی بنگال سے ''لائٹ'' کے کسی خریدار نے حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب ''فتوح الغیب'' کا کچھ حصہ انگریزی میں ترجمہ کرنے کی درخواست کی تو مولانا کو اس کتاب میں حضرت جیلانی کے روحانی ارشادات اور تجربات کا اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے از خود اس کتاب کا مکمل انگریزی میں ترجمہ کر ڈالا۔

سابقہ مشرقی پاکستان کے علمی اور ادبی حلقوں میں والد صاحب مرحوم ایک معروف نام تھا یہی وجہ ہے کہ جب اکتوبر ۱۹۵۵ء میں ڈھاکہ میں بین الاقوامی اسلامک سمپوزیم منعقد ہوا تو والد صاحب کو اس میں تقریر کرنے کی دعوت دی گئی اور والد صاحب مرحوم واحد احمدی مقرر تھے جنہوں نے اس میں اپنا مقالہ پڑھا۔ یہ مقالہ ہفتہ وار ''لائٹ'' کی یکم دسمبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ ڈھاکہ ریڈیو سے ان کی تقریر کا کچھ حصہ رپورٹنگ کے دوران نشر بھی ہوا۔

مولانا کو انگریزی کی طرح بنگالی زبان پر بھی خاصا عبور حاصل تھا۔ ویسے بھی یہ ان کی مادری زبان تھی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت بانی سلسلہ کی مشہور تقریر ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا بنگالی میں ترجمہ کیا اور اس کا دیباچہ بھی لکھا جو ایک معیاری ترجمہ سمجھا جاتا ہے۔

والد صاحب مرحوم ایک درویش صفت انسان تھے اور اس درویشی کی جھلک ان کی زندگی کے معمولات میں نمایاں تھی۔ دفتر کا کام شروع

کرنے سے پہلے صبح قرآنِ مجید کا درس، عصر اور مغرب کی نمازوں کے درمیان کا عرصہ لوگوں کی خیر گیری اور مغرب سے عشاء کے درمیان ہومیوپیتھک کے ذریعہ لوگوں کی خدمت، ان کا روز کا معمول تھا۔ اس کے علاوہ ووکنگ مسلم مشن اور مرکزی انجمن نے جو بھی ذمہ داری سونپی، بلا چون وچراں کسی معاوضہ کا مطالبہ کئے بغیر قبول کر لیتے۔ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر رہائش کی فراہمی جیسا مشکل اور صبر آزما کام ان کے سپرد ہوتا تھا جن کی معاونت ووکنگ مشن کے ہیڈ کلرک محمد سلطان نظامی صاحب، میرے بھائی ناصر احمد صاحب اور فیض الرحمن صاحب کرتے۔ گو مالی لحاظ سے تنگدستی تھی لیکن مہمان نوازی اور دوست احباب کی خدمت میں یہ امر کبھی رکاوٹ ثابت نہ ہوئی۔ گھر کے باہر کے دو کمرے ہمیشہ نوجوان طالب علموں کے لئے وقف رہتے۔ عشقِ الٰہی کا یہ عالم کہ ہر وقت موت کے لئے تیار رہتے۔

قطع نظر اس کے کہ بچوں کی تعلیم ابھی مکمل نہ ہوئی تھی نہ اپنا مکان تھا اور نہ کوئی اور اثاثہ، ہمہ وقت موت کے لئے تیار رہنے کی کیفیت ان کی روحانی بالیدگی کی ایک جھلک ہے۔ نواکھالی کا ایک طالب علم جو ہمارے باہر والے ایک کمرہ میں رہتا تھا اور ایم ایس سی جیالوجی کا طالب علم تھا۔ اس کے ساتھ ایک مرتبہ لاہور کی بادشاہی مسجد گئے اور باہر کی طرف خالی حجروں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ کمرے ماضی میں تعلیم کے گہوارے تھے اب ویران پڑے ہیں۔ قوموں پر جب زوال آتا ہے تو ان سے علم اٹھ جاتا ہے۔

امت مسلمہ کی جہالت اور بے علمی کا انہیں بے حد قلق تھا۔ اپنے بڑے بیٹے اقبال احمد صاحب کو جو ان دنوں انگلستان میں تھے ایک خط لکھا جس کے ایک اقتباس کا ترجمہ یہ ہے: ''ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی خدمت کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ گو لوگ ہمیں اس بارے میں بے وقوف خیال کریں۔ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ موجودہ دنیا اپنی تمام تر چمک دمک کے باوجود تباہی کی طرف جا رہی ہے۔ ایک نئی دنیا تحریک احمدیت کی روحانی بصیرت کی بنیاد پر جنم لے رہی ہے۔ ہمیں موجودہ بگڑتی ہوئی دنیا سے اپنے آپ کو الگ رکھنا چاہئے اور بظاہر موہوم دنیا سے جو جنم لے رہی ہے اس سے ناطہ جوڑنا چاہئے۔ ہمیں موجودہ دنیا کی روش کو چھوڑ کر کل آنے والی دنیا کو اپنا مطمع نظر بنانا چاہئے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہی وہ اسلام ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں لائے اور جس کی تبلیغ حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانی سلسلہ احمدیہ نے کی اور یہی دنیا کو تباہی سے بچا سکے گی۔''

میرے بڑے بھائی اقبال احمد صاحب نے والد صاحب کی وفات پر ایک مضمون میں ان کے توکل علی اللہ کے بارے میں لکھا: ''ہر معاملہ میں والد صاحب مرحوم کا اللہ پر بھروسہ مثالی اور ایمان افروز تھا۔ مشکل لمحوں میں جب انسان مایوسی اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتا، میں نے دیکھا کہ والد صاحب مرحوم دعا کے ذریعہ اللہ کی مدد اور رہنمائی کے لئے سجدے میں گر جاتے۔ ایک مرتبہ میری بہن جو بالکل چھوٹی سی تھی، بہت بیمار تھی۔ میں اس کو بہلانے کے لئے اس سے کھیل رہا تھا کہ اچانک وہ بالکل ساکت ہو گئی۔ ہم سب نے خیال کیا کہ شاید وہ فوت ہو گئی ہے اور پریشانی کے عالم میں ڈاکٹر کی طرف دوڑے اور ڈاکٹر بلا لائے۔ ڈاکٹر نے معائنہ کیا اور اطمینان دلایا کہ وہ یکدم بے ہوش ہو گئی ہے، فوت نہیں ہوئی اور فوری علاج کیا۔ جلد ہی ہماری بہن ہوش میں آ گئی۔ اس دوران میں جبکہ ہم سب پریشان تھے، والد صاحب مرحوم سجدے میں دعا میں پڑے رہے۔ ہم سب کا خیال تھا کہ ہماری بہن کو ڈاکٹر نے علاج کے ذریعہ زندگی دی لیکن والد صاحب کا پختہ یقین تھا کہ اللہ کے فضل سے ہوا۔ ان کو دعا پر بے حد یقین تھا اور یہی یقین ان کی زندگی میں طاقت کا سرچشمہ تھا۔''

شاہ ہائیلی سلاسی اور مولانا آفتاب الدین

والد صاحب مرحوم نے انگلستان میں کئی معزز انگریزوں کو اسلام میں داخل کیا اور متعدد مداح پیدا کئے اور وہ مسٹر دین کے نام سے معروف تھے۔ ایک لحاظ سے دین ہی ان کی فکر اور عمل کا محور تھا۔ چرچ کے ایک سربراہ نے مولانا کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا: ''آفتاب الدین احمد ایک دراز قد، چاک و چوبند اور مؤثر شخصیت کے مالک تھے۔ مذہب کے بارے میں بڑے جوشیلے تھے لیکن جنونی نہ تھے۔ جنہیں ہر عیسائی عورت، مرد اور بچہ پیار کرتا تھا گو اسے ان کے عقائد سے اختلاف تھا۔''

ان کے دور امامت میں سعودی عرب کے بادشاہ ابن سعود، اس وقت کے ولی عہد شہزادہ فیصل، مصر کے شاہ فاروق، حبشہ کے معزول بادشاہ ہیل سلاسی اور بحرین کے شاہ عبداللہ کی مسجد شاہجہان۔ ووکنگ میں آمد اور استقبال قابل ذکر ہیں۔ حبشہ کے ہیل سلاسی کچھ وقت معزول رہے اور اسی دوران میں وہ ووکنگ مسجد بھی آئے جہاں شاہی بینڈ کے ساتھ ان کا استقبال کیا گیا۔ والد صاحب مرحوم سناتے تھے کہ شاہ نے ان سے دعا کی درخواست کی۔ والد صاحب نے دعا کی تو انہیں اشارہ ملا کہ وہ بحال ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ان کو خط

کے ذریعہ اس خوشخبری کی اطلاع دی۔ بعد میں اللہ کے خاص فضل سے شاہ ہیلِ سلاسی کو بحال کر دیا گیا۔

ابا جان مرحوم کی زندگی کا ایک اور پہلو جس سے درویشی کی جھلک نمایاں ہوتی ہے یہ تھی کہ اسلام کی خدمت کا کوئی موقع ہو اس کے لئے ہر وقت اور ہر رنگ میں تیار رہتے تھے۔ خواہ یہ خدمت ایسی ہوتی کہ اس میں ان کے نام کا ذکر تک نہ ہوتا یا وہ کسی دوسرے کے نام سے منسوب ہوتا۔ مثلاً دوسروں کی حوصلہ افزائی کے لئے مضمون خود لکھنا لیکن شائع دوسروں کے نام سے کرنا۔ پھر اگر کوئی غیر از جماعت شخص یا ادارہ اسلام کی خدمت کر رہا ہوتا اور ان کو مدد کی ضرورت پڑتی تو بڑی خندہ پیشانی سے گمنام طریق پر اس خدمت کو سرانجام دیتے۔ لاہور کا ایک معروف اشاعتی ادارہ اشرف پبلیکیشنز نے انگریزی میں ماہوار اسلامی رسالہ ''اسلامک لٹریچر'' شائع کرنے کا پروگرام بنایا تو ان کو اس رسالہ کے مدیر کے لئے کوئی مناسب شخص نہ مل رہا تھا تو انہوں نے ابا جان مرحوم سے درخواست کی کہ جب تک انہیں کوئی مناسب مدیر نہ ملے آپ اس رسالہ کے لئے اداریہ لکھ دیا کریں۔ چنانچہ ابا جان مرحوم کئی ماہ تک اس کے لئے اپنا نام دیئے بغیر اداریہ لکھتے رہے۔

مختصراً یہ تھے میرے والد صاحب مرحوم مولانا آفتاب الدین احمد جنہوں نے اپنی نصف صدی کی زندگی میں دین اسلام اور انسانیت کی خدمت کے سلسلہ میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں جو آج بھی زندگی کے مشکل مرحلوں میں ہمارے لئے روشنی اور ایمان کا ذریعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں اور کرم نازل فرماتا رہے اور ہمیں نیکی اور ہمدردی کی زندگی گذارنے کی توفیق اور راہنمائی عطا فرمائے۔ (فہرست مضامین)

ختم نبوت کے بعد سلسلہ رُشد و ہدایت

بنی نوع انسان کی ہدایت اور اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ نبی و رسول بھیجتا رہا ہے۔ یہ سلسلہ نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک آ کر ٹھہر گیا اور آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے آخری نبی بنایا۔ آپؐ کے بعد بنی نوع انسان کی ھدایت اور رہنمائی کے لئے نبی ﷺ نے خلیفوں کی پیش خبری فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:

كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْاَ نْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ (بخاری، کتاب احادیث الانبیاء)

ترجمہ:۔ ''بنی اسرائیل کے انبیاء اُن کی سیاسی رہنمائی بھی کیا کرتے تھے، جب بھی اُن کا کوئی نبی فوت ہو جاتا تو دوسرے (انبیاء) اُن کی جگہ آ موجود ہوتے، لیکن یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ہاں میرے خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے''۔

بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جس قدر بھی انبیاء آئے سب غیر شریعتی اور تابع انبیاء تھے جو اپنے ساتھ کوئی نئی شریعت نہیں لاتے تھے۔ حضرت محمد ﷺ کے بعد تابع اور غیر شریعتی نبیوں کا سلسلہ بھی ختم ہے اور صرف خلفاء کو رکھا گیا ہے۔ یعنی جس طرح بنی اسرائیل میں لوگوں کی اصلاح و ھدایت کی ذمہ داری نبی خلیفوں پر تھی اُسی طرح اُمت محمدیہ میں لوگوں کی اصلاح و ھدایت کی ذمہ داری غیر نبی خلیفوں پر ڈالی گئی ہے۔ قرآن کریم میں اُمتی خلیفوں کا ذکر سورہ النور آیت ۵۶ میں کیا گیا ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ اُن خلیفوں کے ذریعہ دین کو مضبوط کیا جائے گا۔ چنانچہ فرمایا؛

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِى لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (النور:۵۶)

ترجمہ:۔ ''اللہ نے ایسے لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو تم میں سے ایمان لانے والے اور عمل صالح بجالانے والے ہیں کہ وہ ضرور اُن کو زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جیسا کہ اُس نے اُن لوگوں کو خلافت عطا فرمائی تھی جو اُن سے پہلے تھے (یعنی بنی اسرائیل)۔ اور ان کے لئے ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے (تجدید دین اور مسلمانوں کی اصلاح کے ذریعہ) مضبوط و مستحکم فرمادے گا اور وہ ضرور اُن کے پچھلے خوف کو اُن کے لئے اَمن و حفاظت کی حالت سے بدل دے گا، پھر وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور جس نے اس کے بعد ناشکری (یعنی میرے احکام سے انحراف و انکار) کو اختیار کیا تو وہی لوگ فاسق ہوں گے۔''

واضح رہے کہ بنی اسرائیل کا سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لیکر آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پھیلا ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد سلسلہ محمدیہ کا آغاز ہوا۔ اِس آیت میں سلسلہ خلافتِ محمدیہ کو سلسلہ خلافتِ موسویہ کے مشابہ و مماثل رکھا گیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہاں نبی خلیفہ آتے رہے جبکہ یہاں غیر نبی خلیفہ آتے رہیں گے۔ گویا اِس آیت میں اُسی حدیث کا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے جو اُوپر بیان ہوئی ہے کہ بنی اسرائیل میں خلافت نبیوں والی تھی اور اب خلافت غیر نبیوں والی ہو گی۔

اُمت محمدیہ کے خلیفے کون ہیں؟

اُمت کے خلیفے دو قسم کے ہیں ایک ظاہری خلیفے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ۔ جو اسلامی ریاست کے حکمران ہوتے ہیں۔ اور دوسرے باطنی و رُوحانی خلیفے جیسا کہ علمائے کرام اور مُجدّدِین جو ظاہری طور پر خلیفے مشہور نہیں ہوتے۔

خلیفہ نبی کریم ﷺ کا جانشین ہوتا ہے خواہ ظاہری طور پر اسلامی ریاست کا حکمران ہو خواہ باطنی اعتبار سے عالم دین ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کے دو منصب تھے، ایک حکمرانی کا منصب اور دوسرا اصلاح و ارشاد کا منصب۔ اب جس کو بھی یہ دو منصب عطا ہوں گے وہ نبی کریم ﷺ کا خلیفہ ہو گا۔ یا اِن میں سے کوئی ایک منصب جسے عطا ہو گا وہ خلیفہ ہو گا۔ نبی کریم ﷺ کے بعد ظاہری خلیفوں کو یہ دونوں منصب عطا ہوئے تھے یعنی وہ نہ صرف ظاہری حکمران تھے بلکہ عالم دین بھی تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا؛ وَ اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الْاَ نْبِیَاءِ (ابو داؤد۔ ترمذی)

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ یعنی انبیاء جو کچھ علوم چھوڑ جاتے ہیں وہ علماء کے پاس ہوتا ہے۔ اور چونکہ علماء نبی کریم ﷺ کی سنت پر چلتے ہوئے اصلاح وارشاد کے کام کرتے ہیں اس وجہ سے وہ نبی کریم ﷺ کے باطنی یا روحانی خلیفے ہیں۔ خواہ خلیفہ کے لفظ سے مشہور نہ ہوں۔ اور چونکہ وہ مسلمانوں کی اصلاح کرتے ہیں اور اُن میں سے بعض تجدید دین کا کام کرتے ہیں اِس وجہ سے وہ مجدد بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ نبی ﷺ نے جو مجددوں کی پیشگوئی فرمائی ہے اس سے مراد اعلیٰ درجہ کے علماء کرام مراد ہیں جو دین کی تجدید کرتے ہیں۔ اور جس طرح ایک عالم دین اور باطنی خلیفہ کے لئے خلیفہ کا الہامی دعویٰ پیش کرنا لازم نہیں ہوتا اسی طرح مجدد کے لئے بھی الہامی دعویٰ پیش کرنا لازم نہیں ہوتا بلکہ وہ اصلاحی کاموں کے ذریعہ اُمت کی نظروں میں مجدد قرار پاتے ہیں۔ اور یہ اپنے وقت کے امام مھدی بھی ہوتے ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے اپنے خلیفوں کو مھدی قرار دیا ہے۔ فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ (ابو داؤد۔ کتاب السنۃ)

مھدی سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن و سنت سے ھدایت حاصل کر کے دوسروں تک ھدایت کا پیغام پہنچاتا ہے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ ان معنوں میں مھدی تھے کہ وہ براہ راست وحی پا کر لوگوں کو ھدایت کرتے تھے مگر چونکہ نبی ﷺ کے بعد احکام سب مکمل ہو چکے ہیں، شریعت و دین کا علم مکمل ہو چکا ہے اسلئے اب اُمت کا مھدی وہ ہے جو قرآن و سنت سے ھدایت کا علم پا کر عالم دِین بن کر اُسے آگے پھیلائے۔

غرض نبی کریم ﷺ کے بعد رُشد و ھدایت کا سلسلہ علماء ربانیین کے ذریعہ جاری و ساری ہے۔ اور یہ علماء ربانیین اور علماء صالحین ہی اُمت کے خلیفۂ راشد، مجدد اور امام مھدی ہیں۔ خواہ انکو اسلامی حکومت میسر آئے یا نہ آئے اور خواہ یہ خلیفہ، مھدی اور مجدد کے ناموں سے مشہور ہوں یا نہ ہوں کیونکہ اُمت میں جس قدر بھی مُجدّدِین گذرے ہیں اُن میں سے کسی نے الہامی دعویٰ پیش کر کے مُجدّدیت کا دعویٰ نہیں کیا جس سے یہ معلوم ہوا کہ مجدد لوگ مُجدّدیت کے دعوے نہیں کرتے بلکہ وہ بحیثیت عالم دین کام کرتے ہیں، اسی طرح انکے لئے مھدی ہونے کا دعویٰ کرنا بھی لازم نہیں اور خلیفہ راشد ہونے کا دعویٰ کرنا بھی لازم نہیں۔ اور چونکہ یہ سلسلہ خلافتِ رُوحانیہ باطنِیہ، پچھلی اُمتوں کے مرسلین کے مماثل رکھا گیا ہے اِس وجہ سے اِس سلسلہ کو سلسلۂ مُرسلین مجازیہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ اور قرآن و حدیث میں جو علماء کی فضیلت بیان فرمائی ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ یہ علماء ہی مجدد، مھدی اور خلیفہ راشد ہوتے ہیں اگرچہ کہ لوگ انکی قدر کرنے سے قاصر ہوں۔

(فہرست مضامین)

کلامِ گورونانک سچا رَبّ ہر جگہ موجود ہے۔

پوڑی نمبر ۴

ਾ ਸਾਹਿਬੁ ਸਾਚੁ ਨਾਇ ਭਾਖਿਆ ਭਾਉ ਅਪਾਰੁ ॥
ਹਿ ਮੰਗਹਿ ਦੇਹਿ ਦੇਹਿ ਦਾਤਿ ਕਰੇ ਦਾਤਾਰੁ ॥
ਕਿ ਅਗੈ ਰਖੀਐ ਜਿਤੁ ਦਿਸੈ ਦਰਬਾਰੁ ॥
ਕਿ ਬੋਲਣੁ ਬੋਲੀਐ ਜਿਤੁ ਸੁਣਿ ਧਰੇ ਪਿਆਰੁ ॥
ਮ੍ਰਿਤ ਵੇਲਾ ਸਚੁ ਨਾਉ ਵਡਿਆਈ ਵੀਚਾਰੁ ॥
ਮੀ ਆਵੈ ਕਪੜਾ ਨਦਰੀ ਮੋਖੁ ਦੁਆਰੁ ॥
ਕ ਏਵੈ ਜਾਣੀਐ ਸਭੁ ਆਪੇ ਸਚਿਆਰੁ ॥ ੪ ॥

ساچا صاحِبُ ساچُ نا
بھاکھیا بھاؤ اَپارُ
آکھیہِ منگہِ دِیھ دِیھ داتِ کرے دا
پھیر کِ اگے رکھیئے جِت دِسّے در
موہو کِ بولنُ بولیئے جِتُ سُنِ دھرے پ
انمرِت ویلا سچُ ناؤ وڈِیائی وِچ
کرمی آوے کپڑا ندری موکھُ دُآرُ
نانک ایوے جانیئے سبھُ آپے سچا

پوڑی ۔۔۔ ۴

وہ صاحب سچّا ہے اس کا نام سچّا ہے اس کی بولی پیار ہے اور وہ لاانتہا ہے۔
ہم اس سے بار بار نعمتیں مانگتے ہیں اور وہ داتا نعمتیں بخشتا جا رہا ہے۔
اس کے حضور کون سا تحفہ پیش کریں کہ اس کے دربار کا دیدار نصیب ہو؟
مُنہ سے کون سے بول بولیں کہ جنھیں سن کر مالک پیار کرے؟
نور کے تڑکے نامِ حق کی عظمت پر سوچ وچار کریں۔
اچھے اعمال سے یہ جامۂ ہستی ملتا ہے اور خدا کے فضل و کرم سے ہی نجات کا در حاصل ہو گا۔
گورونانک دیو فرماتے ہیں کہ اس طرح یہ جان لو کہ وہ سچّا رب ہر جگہ موجود ہے۔

کلامِ گورونانک۔ پوڑی نمبر ۵

ਥਾਪਿਆ ਨ ਜਾਇ ਕੀਤਾ ਨ ਹੋਇ ॥
ਆਪੇ ਆਪਿ ਨਿਰੰਜਨੁ ਸੋਇ ॥
ਜਿਨਿ ਸੇਵਿਆ ਤਿਨਿ ਪਾਇਆ ਮਾਨੁ ॥
ਨਾਨਕ ਗਾਵੀਐ ਗੁਣੀ ਨਿਧਾਨੁ ॥
ਗਾਵੀਐ ਸੁਣੀਐ ਮਨਿ ਰਖੀਐ ਭਾਉ ॥
ਦੁਖੁ ਪਰਹਰਿ ਸੁਖੁ ਘਰਿ ਲੈ ਜਾਇ ॥
ਗੁਰਮੁਖਿ ਨਾਦੰ ਗੁਰਮੁਖਿ ਵੇਦੰ ਗੁਰਮੁਖਿ ਰਹਿਆ ਸਮਾਈ ॥

تھاپیا ن جائے کیتا ن ہوئے
آپے آپ نرنجنُ سوئے
جِن سیویا تِن پایا مانُ!
نانک گاوِیئے گُنی نِدھانُ
گاوِیئے سُنیئے مَن رکھیئے بھاؤ
دُکھ پرہر سُکھُ گھر لے جائے
گُرمکھ نادنک گُرمکھ وید نگ
گُرمکھ رہیا سمائی

(فہرست مضامین)